احتشام الحق آفاقی

اداریہ

اردو ادب کی دنیا میں کسی بھی رسالہ کا آغاز ایک خاص ذمہ داری کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داری صرف مضامین کی فہرست پیش کرنے تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس کے ذریعے اس دور کے ادبی ماحول کی نبض کو ٹٹولنا، نئی تخلیقات کی طرف توجہ دلانا اور پرانے ورثے کو نئی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے۔اس شمارے میں جو مضامین جمع کیے گئے ہیں وہ مختلف موضوعات پر پھیلے ہوئے ہیں مگر سب کا ایک مشترکہ سرچشمہ ہے۔اردو زبان وادب کی زندہ روایت کو سمجھنے اور اسے آگے بڑھانے کی تڑپ۔ یہاں مرثیہ نگاری سے لے کر طنز ومزاح،افسانہ نگاری سے لے کر ہجرت کے بیانیے، لسانیات سے لے کر شاعری کی نئی جہات تک کا سفر ہے۔ یہ مضامین نہ صرف انفرادی فنکاروں کی تخلیقی دنیا رازوں کو وا کرتے ہیں بلکہ اردو ادب کے وسیع تر منظر نامے کو بھی ایک نئی زاویے سے دیکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

رامپور کے ادبی دبستان پر ڈاکٹر سید محمد ارشد رضوی کا مقالہ اس شمارے کی ابتدا کرتا ہے۔ نواب محمد صفدر علی خاں صفدر کو مرثیہ نگار کے طور پر پیش کرتے ہوئے مصنف نے ایک ایسے خطے کی ادبی تاریخ کو یاد دلایا ہے جسے اکثر اوقات نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ رامپور کی مرثیہ گوئی کی روایت قائم چاند پوری سے شروع ہو کر ہوش نعمانی تک پھیلی ہوئی ہے۔ صفدر علی خاں صفدر اس سلسلے میں ایک اہم کڑی ہیں۔ ان کی ولادت، پرورش، تعلیم اور شاعری کی ابتداء کا تفصیلی بیان پڑھتے ہوئے قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک مرثیہ نگار کی کہانی نہیں بلکہ ایک مکمل ادبی شخصیت کی تشکیل کا سفر ہے۔ ان کا واحد مرثیہ سو بندوں پر مشتمل ہے مگر اس میں کلاسیکی مرثیہ کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ دعائیہ انداز سے شروع ہو کر بے ثباتی کے فلسفے، اصحاب حسین کے سراپے، جنگ کے منظر اور شہادت کے کرب تک کا سفر بڑی روانی سے طے ہوتا ہے۔ پروفیسر سید محمد ارشد رضوی کے مطابق صفدر کی زبان میں نازک خیالی، بندش کی چستی اور مضمون آفرینی کا جوہر نمایاں ہے۔ یہ مقالہ اس بات کی یاد دہانی ہے کہ دبستان رامپور کی مرثیہ نگاری کو ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر الف ناظم نے ایس فضیلت کی طنز ومزاح نگاری پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ فضیلت صاحب افسانہ، ناول، ڈراما اور اسکرپٹ رائٹنگ میں بھی مصروف رہے مگر طنز وظرافت میں ان کا رنگ الگ ہے۔ ان کی کتاب ''ضرب لطیف'' کے حوالے سے لکھتے ہوئے مصنف نے بتایا ہے کہ فضیلت صاحب سماجی وسیاسی تلخیوں کو ہنسی کے پردے میں پیش کرتے ہوئے قاری کو سوچنے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔ ناموں کا المیہ، والدین کے جذباتی فیصلوں کے خمیازے، عام آدمی کے دکھ درد جیسے موضوعات پر ان کی تحریروں

میں شگفتگی اور شائستگی دونوں موجود ہیں۔ فکر تونسوی، مجتبیٰ حسین، یوسف ناظم جیسے طنز نگاروں کے بعد فضیلت صاحب اس فن کی آبرو بنے ہوئے ہیں۔ ان کی تحریریں نہ صرف تفریح کا سامان کرتی ہیں بلکہ ذہنی کیتھارسس بھی پیدا کرتی ہیں۔

ڈاکٹر گلاب سنگھ نے ابن کنول کی افسانہ نگاری پر مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے۔ ابن کنول کہانی سنانے کا ہنر قدیم داستانوں سے سیکھتے ہیں مگر ان کے افسانے پوری طرح عصری مسائل سے جڑے ہوئے ہیں۔ ''تیسری دنیا کے لوگ''، ''بند راستے'' اور ''پچاس افسانے'' جیسے مجموعوں میں وہ تیسری دنیا کی غربت، استحصال، سیاسی چالاکیوں اور انسانی بے بسی کو داستانوی رنگ دے کر پیش کرتے ہیں۔ افسانوں کی ابتدا اکثر خوابوں جیسی جادوئی دنیا سے ہوتی ہے مگر آہستہ آہستہ حقیقت کی تلخی سامنے آجاتی ہے۔ مقالہ نگار نے ابن کنول کی زبان کی سادگی، علامتی استعمال اور سماجی شعور کی تعریف کی ہے مگر کچھ جگہوں پر زبان دانی کی خامیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ یہ مضمون افسانہ نگاری میں داستانوی روایت کو نئی جہت دینے والے فنکار کی یاد تازہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد شفیع چوبدار نے عارف نقوی کی شاعری میں ہجرت کے بیانیے پر منفرد مطالعہ پیش کیا ہے۔ عارف نقوی لکھنؤ سے جرمنی ہجرت کر گئے مگر ان کی روح ہمیشہ وطن سے جڑی رہی۔ ان کی نظموں ''وطن'' اور ''مادر وطن'' میں وطن کو ماں کی شکل میں دیکھا گیا ہے۔ ہجرت کی جدائی، تنہائی اور نئی سرزمین پر شناخت کی تلاش ان کی شاعری کا مرکزی موضوع ہے۔ غزلوں میں بھی یہ بیانیہ موجود ہے جہاں خون بہانے سے لالہ زار بن جانا، خانہ بدوشی اور دو جہانوں کی گردش جیسے خیالات سامنے آتے ہیں۔ عارف نقوی کی شاعری ذاتی درد کو عالمگیر انسانی تجربے میں بدل دیتی ہے۔ یہ مضمون ہجرت زدہ شاعری کی گہرائی کو سمجھنے میں مددگار ہے۔

ڈاکٹر ظہیر رحمتی نے پروفیسر نصیر احمد خاں کی لسانیاتی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ نصیر احمد خاں اردو کے چند اہم ماہرین لسانیات میں سے ایک تھے۔ ان کی کتابیں ''دہلی میں اردو کی کرخنداری بولی''، ''اردو ساخت کے بنیادی عناصر''، ''جدید ہندی اردو لغت'' اور ''اردو کی صوتی لغت'' جیسے کام اردو تحقیق کے لیے اہم ہیں۔ انہوں نے لسانیات کو فکشن، شاعری اور سماجی علوم سے جوڑا۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں شعبہ اردو کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں ان کا کردار قابل ذکر ہے۔

ڈاکٹر سمیہ باغبان نے تقی عابدی کی شاعری کی مختلف جہات پر تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔ تقی عابدی طبیب ہیں مگر شاعری میں ان کا رنگ الگ ہے۔ ان کی غزلوں اور نظموں میں جذباتی گہرائی، سماجی تنقید، فطری عناصر اور فلسفیانہ سوچ ایک ساتھ موجود ہے۔ تنہائی کا کرب، معاشرتی ناانصافیاں، پھول کانٹے اور چاندنی جیسے استعارے، حسن اور انصاف کا احتجاج ان کی شاعری کو ہمہ جہت بناتے ہیں۔ یہ مضمون معاصر غزل کی نئی جہتوں کو سامنے لاتا ہے۔

ڈاکٹر صدف آرا چوبدار نے افتخار نسیم کی مہجری شاعری پر بات کی ہے۔ افتخار نسیم پاکستان سے امریکہ ہجرت کر گئے۔ ان کی شاعری میں ہجرت کی تنہائی، جنسی شناخت کی جدوجہد اور سماجی منافقت کی شدید تنقید ہے۔ ان کا شعری مجموعہ ''نرمان'' اس اعتبار

سے اہم ہے۔ محمد ہلال عالم نے رشید حسن خاں کے تبصروں اور تجزیوں پر تبصرہ لکھا ہے۔ ڈاکٹر ابراہیم افسر نے رشید حسن خاں کے تبصروں کو جمع کر کے ایک اہم کام کیا ہے۔ رشید حسن خاں تبصرہ کرتے وقت رشتوں کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ وہ خوبیوں کے ساتھ خامیوں کی بھی نشاندہی کرتے تھے۔ ڈاکٹر سیدہ فوزیہ فاطمہ نے سکندر علی وجد کے مقام پر لکھا ہے۔ وجد رومانیت اور سماجی شعور کا حسین امتزاج ہیں۔ ان کی شاعری میں دکنی تہذیب، اجنتا ایلورا جیسے موضوعات اور ایک پر سکون وقار موجود ہے۔ معاصرین جوش، فیض، ساحر کے درمیان وجد کی انفرادیت نمایاں ہے۔ آفرین ضمیر احمد نے دور حاضر کے طلبہ اور جدید اطلاعاتی تکنیک پر مضمون لکھا ہے۔ انٹرنیٹ اور ڈیجیٹل ٹولز نے تعلیم کو تبدیل کر دیا ہے۔ کورونا کے دور میں یہ تکنیک خاص طور پر مفید ثابت ہوئی۔ اردو کو بھی ڈیجیٹل بنانے کی ضرورت ہے۔

اس شمارے کے تمام مضامین ایک بات واضح کرتے ہیں کہ اردو ادب اب بھی زندہ ہے۔ یہ مختلف مشکلات سے گزر کر بھی اپنی شناخت کو قائم رکھنے میں کہیں نا کہیں کامیاب ہے۔ مرثیہ کی روایت ہو یا طنز کی چاشنی، افسانے کا بیانیہ ہو یا ہجرت کا درد، لسانیات کی گہرائی ہو یا شاعری کی نازک خیالی، سب کچھ اردو کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے۔ ماہنامہ گلستان اردو کے شمارے میں یہ مضامین قاری کو صرف پڑھنے کی دعوت نہیں دیتے بلکہ سوچنے، محسوس کرنے اور ادب سے جڑنے کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔

اردو ادب کی یہ روایت نسل در نسل منتقل ہوتی رہے گی جب تک ہم اسے زندہ رکھنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ یہ شمارہ اسی کوشش کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ امید ہے یہ شمارہ قارئین کے ذوق کو تازگی بخشے گا اور اردو ادب کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگا۔ آئندہ شماروں میں بھی اسی طرح کے معیاری مضامین پیش کرنے کی کوشش جاری رہے گی۔

☆☆☆